© rasailojaraid.com

خودکشی ...... یا ...... ذمہ داری سے راہ فرار!

تحریر: محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ ''صدائے مسلم'' جہلم

اللہ باری تعالیٰ نے انسان کو ذمہ داری کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اسے بازی گاہ حیات میں ایک مقرر وقت کے اندر وہ فرائض اور ذمہ داریاں نباہنے کا پابند کر دیا گیا ہے جو اس پر عائد کی گئی ہیں۔ پھر اسے ایک لائحہ عمل بھی دے دیا گیا ہے۔ جسے ہم رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔ اس پر عمل کر کے وہ اپنے تمام فرائض کی ٹھیک ٹھیک بجا آوری کر سکتا ہے۔

اس تحریر کا تقاضا ہے کہ پہلے علم الٰہیہ (تقدیر) اور منشائے الٰہیہ کا فرق بیان کر دیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ انسان کہاں آزاد ہے اور کہاں اس کی یہ آزادی ختم ہوتی ہے۔ تخلیق آدمؑ سے ابتدا کرنا ہی مناسب ہوگا۔ آدمؑ اور حواؑ کو حکم دیا گیا کہ آپ دونوں جنت کے باغوں میں رہیں اور جو چاہیں کھائیں پئیں۔ یہ منشائے الٰہیہ تھی اور اس کے ساتھ انہیں آزادئ عمل بھی دے دی گئی۔ یہ بات علم الٰہیہ میں ازل سے موجود تھی کہ یہ جوڑا اپنی آزادی عمل سے کام لے گا اور منشائے الٰہیہ کے برعکس اس درخت کا پھل کھائے گا جس کے کھانے سے اسے روکا گیا تھا۔ اس سے آگے ہمیں معلوم نہیں کہ اگر بابا جی اور اماں محترمہ اس درخت کا پھل نہ کھا لیتے تو اللہ باری تعالیٰ انہیں اس خاکدانِ ہستی پر اتارنے اور ان کے ذریعے اسے آباد کرنے کی کیا تدبیر اختیار فرماتے۔

آدمؑ و حوّا نے اپنی آزادی عمل کا استعمال منشائے الٰہیہ کے مطابق نہ کیا اور تقدیر اپنا کام کر گئی۔ لیکن اس دنیا سے رخت سفر باندھنے کا جب وقت آیا تو منشائے الٰہیہ کے برعکس ایک سانس بھی نہ لے سکے اور چل بسے۔ اس باب میں ان کے پاس آزادی عمل تھی ہی نہیں۔ لہذا طبعی موت مر کر جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے تو ان سے کوئی پرسش نہ ہوئی کیونکہ وہ یہاں مجبور محض تھے اور تقدیر کے بے بس غلام تھے۔ لیکن شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو گرفت میں آ گئے۔ حالانکہ یہ بات بھی نوشتۂ تقدیر تھی لیکن فرق یہ تھا کہ یہاں انہوں نے منشائے الٰہیہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ پس قضا دو قسم کی ہے قضائے مبرم اور غیر مبرم۔ اول الذکر کو آزادی عمل کہہ لیں اور ثانی الذکر کو مجبوری اور پابندی کہہ لیں۔

لیکن انسان قضائے غیر مبرم میں بھی دخل اندازی سے باز نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ذمہ داریوں کا ایک پیکج دے کر ایک مقررہ مدت کیلئے دنیا میں بھیجا مگر وہ ذمہ داریوں سے ایسا بھاگا اور شدائدِ حیات سے ایسا گھبرایا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے ہاتھ سے اپنا رشتۂ حیات کاٹ کر یہاں سے چلتا بنا اور تمام ذمہ داریوں اور فرائض کو ادھورا چھوڑ گیا۔ انسان کی فتنہ گری کا ملاحظہ فرمائیے کہ اگر وہ موت کو ٹال نہیں سکتا تھا تو بھی اپنا ہاتھ ضرور دکھا گیا اور موٴجل کو عاجل کر لیا۔ یہ جسارت، عرف عام میں خودکشی کہلائی اور عنداللہ سنگین جرم ٹھہری۔ اس کی سنگینی کا سبب یہ ہوا کہ اللہ باری تعالیٰ کی عطا کردہ مدت اور مفوضہ فرائض سے منہ موڑ کر انسان اس کے پاس واپس چلا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے والا فعل تھا کہ کوتاہ اندیش انسان نے اس کی تخلیق کی سکیم میں خلل ڈالا۔ اگر باپ تھا تو بچوں کو یتیم کر آیا۔ خاوند تھا تو بیوی کو بیوگی کے ستم سہنے کو چھوڑ آیا۔ بیٹا تھا تو پیرانہ سالی میں والدین کا سہارا بننے کی جگہ انہیں بے آسرا کر آیا۔ اس پر دیگر مسائل کو قیاس کر لیں جو ایک خودکشی سے جنم لیتے ہیں۔ خرابی کی ان گنت شکلیں ایک خودکشی سے جنم لیتی ہیں۔ خودکشی کرنے والا خود تو عذابِ مسلسل میں ماٴخوذ ہوا تھا مگر اپنے پیچھے بے شمار لوگوں کو جیتے جی جہنم میں ڈال گیا۔

خودکشی کے اسباب بے شمار ہیں۔ مایوسی، محرومی، ناکامی و نامرادی اس کی تہہ میں کارفرما ہوتی ہے۔ علمائے اخلاق نے اس پر بڑی عالمانہ باتیں تحقیق سے کہی ہیں۔ حاصل ان کی آراء کا یہ ہے کہ بزدل اور کم ہمت شخص خودکشی کرتا ہے۔ زندگی ایک جہد مسلسل کا نام ہے۔ جہاد کرنے والے بہادر ہوتے ہیں۔ مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ انہیں حل کرنے کیلئے اپنی دماغی اور جسمانی قوتیں بروئے کار لاتے ہیں۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں جو نتائج سامنے آتے ہیں انہیں قبول کرتے ہیں اور اگر وہ حسب دل خواہ نہ ہوں تو انہیں بدلنے کیلئے نئے سرے سے مصروفِ عمل ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حل مسائل کیلئے اپنی ساری کارگزاری کے اثرات، مثبت اور منفی دونوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہادر ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں کہ اگر ان کی گاڑی سے ٹکرا کر کوئی بندہ گر جائے تو گاڑی بھگا کر نہیں لے جاتے بلکہ رک جاتے ہیں اپنی بے احتیاطی یا مضروب کی غفلت کی بحث میں پڑے بغیر اسے سب سے پہلے ہسپتال میں پہنچاتے اور اپنے تئیں قانون کے حوالے کرتے ہیں۔ اپنی ذمہ داری کو قبول کرتے اور نتائج بھگتنے کو تیار ہوتے ہیں۔ مگر بزدل بھاگ جاتے ہیں۔ بعینہٖ کم ہمت لوگ جب اپنے منفی اقدامات کے برے نتائج حقیقت کے روپ میں اپنے سامنے دیکھتے ہیں تو ان کا سامنا کرنے کی سکت نہیں پاتے اور روپوشی اور خودکشی کے ذریعے اپنی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ خودکشی، دراصل دروغ گوئی کی ہی انتہائی شکل ہوتی ہے۔ جھوٹا شخص بھی اپنی ذمہ داری سے جھوٹ کے ذریعے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ عمد یا بلاعمد ارتکاب جرم کی نوعیت الگ ہے۔ صادق دونوں صورتوں میں اقبال جرم یعنی اپنی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے اور کاذب دونوں صورتوں میں کذب بیانی کے سہارے اپنی ذمہ داری سے راہ فرار اختیار کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور جب اس سے کام نہیں چلتا تو مایوسی کے عالم میں خودکشی کر جاتا ہے۔

جذبات پر قابو نہ پا سکنے والے لوگ اکثر اپنی خامیِ کردار کے باعث خودکشی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان میں آپ ان لوگوں کو شمار کر لیں جو قوائے شہوانیہ کا استعمال نہایت کم عمری اور عنفوان شباب کے ہیجان خیز دور میں شروع کر دیتے ہیں اور اپنے خاندانی بندھنوں اور معاشرتی تفاوتوں کو سمجھے بغیر فلموں اور ڈراموں کے زیر اثر آپس میں جینے مرنے میں ساتھ دینے کا عہد باندھ لیتے ہیں اور جب سماجی تقاضے ان کی سد راہ بنتے ہیں تو شدت جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے دریاؤں میں کود جاتے ہیں۔ یا درختوں اور پنکھوں سے لٹک جاتے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو معاشرتی ناہمواریوں کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔ یہ ناہمواری کہاں اور کب نہیں ہوتی؟ مواقع پر دسترس کسی دور میں بھی تمام انسانوں کو یکساں اور مساوی طور پر میسر نہیں رہی۔ خود خیر القرون میں عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کے درمیان یہ تفاوت موجود تھی۔ ایک کے تجارتی قافلہ کا پچھلا اونٹ ابھی ملک شام میں تھا کہ اگلا اونٹ مدینہ میں تھا جبکہ دوسرے کی ضربِ حیدری، فاقہ کشی اور نانِ جویں سے حیات پاتی تھی۔ غربت و افلاس کے ہاتھوں تنگ آ کر کم ہمت لوگ خودکشی کر جاتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ جس اہل و عیال کی کفالت میں ناکام ہو کر وہ خودکشی کرنے لگے ہیں۔ ان کے بعد تو ان کا جینا مزید حرام ہو جائے گا۔ یہ کیفیت بہادروں پر بھی گزرتی ہے مگر وہ بادِ مخالف کے تلاطم سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنی وہبی صلاحیتوں سے کام لیتے ہیں۔ میدانِ عمل میں نبرد آزما رہتے ہیں اور اپنی بگڑی بنانے کی ہر تدبیر کرتے ہیں اور سرخرو ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی حرکت میں ضرور برکت ڈالتے ہیں اور بالآخر کامیابی ان کے قدم چوم لیتی ہے۔

تیسری قسم وہ ہے جو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ رہتے ہیں۔ طالب علم ہیں تو کام چور، کسان ہیں تو بے عمل، دکاندار ہیں تو سست، یہ لوگ سب سے زیادہ خودکشی کرتے ہیں۔ پھر جب ناکامیاں ان پر سایہ ڈالتی ہیں اور یہ سائے روز بروز طویل و تاریک ہوتے جاتے ہیں اور نامکمل ذمہ داریوں کے انبار ہمالہ بن کر سامنے آتے ہیں تو مایوسی ان کو رحمتِ الٰہی سے دور کر دیتی ہے اور وہ شیطان سے قریب ہو کر خودکشی کر گزرتے ہیں۔

نام نہاد ترقی یافتہ ممالک میں خودکشی کا تناسب کم ترقی یافتہ اور خصوصاً اسلامی ممالک کے مقابلہ میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ ان آبادیوں کو یہی سبق دیا جاتا ہے کہ انسان ایک معاشی حیوان ہے اور اس کی مادی ضروریات کی تکمیل کے فراواں اسباب و ذرائع مہیا کرنا حکومتوں کی پہلی اور آخری ذمہ داری ہے۔ ان ممالک میں رائج فلسفہ یہی ہے کہ انسان کی کسی خواہش کی تکمیل کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرزِ فکر کا وہ اثر بد ہے جو ان معاشروں میں رچ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بس گیا ہے۔ اور جسے ہم عریانی، فحاشی اور بدکاری وحرام کاری کا نام دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر اتنی آزادی کے باوجود، لوگ وہاں زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں، تو اس فلسفہ میں کیا معقولیت ہے۔ ہم اس سے یہی اخذ کریں گے کہ حیات انسانی کے متعلق مغرب اور اس کی متبع اقوام کا رویہ سراسر حیوانی، معقولیت سے عاری اور ناکام ہے۔

خودکشی ایک ایسی بے چینی، نادانی اور کم فہمی کا اثر ہے جس کا علاج انسان کو معلوم نہیں ہوتا۔ ناکافی تعلیم اور ناقص تربیت کے باعث انسان زندگی کے بارے میں غلط رویہ اپنا لیتا ہے۔ چونکہ انسانی عقل، مسائل کا بھرپور احاطہ نہیں کرسکتی اس لئے وہ نت نئے فلسفے تراشتی ہے اور نت نئی ناکامیوں سے دوچار ہوتی ہے۔ اور جب ناکامی ونامرادی کا دباؤ بڑھتا ہے تو خودکشی کی راہ سجھاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلام ایک نہایت ہی معقول فلسفۂ حیات پیش کرتا ہے اور چونکہ یہ فلسفہ عطیۂ الٰہی ہے، اس لئے ہر خامی سے مبرا ہے۔ اس میں ناکامی کیلئے بھی جگہ رکھی گئی ہے۔ جانی، مالی اور پیداواری نقصانات کے ذریعے ثابت قدمی اور شکرگزاری کا درجہ ناپنے کیلئے بھی آزمائش کی خبر دی گئی ہے۔ اس فلسفہ کے تحت انسان کبھی مایوس ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں وبے کراں رحمت ہر وقت اس پر نچھاور ہوتی ہے اور جب ناکامی ونامرادی سے بے چینی وبے خوابی واختر شماری کے غار میں دھکیلتی ہے تو وہ فوراً ذکرالٰہیہ میں مشغول ہو کر اپنے سکون کی لٹی ہوئی دولت پھر سے پا لیتا ہے۔ یہاں مظلوم، اپنی دادرسی کیلئے کسی عدالت میں خود سوزی پر مجبور نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی آہِ مظلوم کا سواگت کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ خود آگے تشریف لاتے ہیں۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

میں اپنے قارئین کرام کی توجہ اجتماعی خودکشی کی طرف بھی دلاؤں گا۔ یہ کیا ہوتی ہے؟ یہ قومی سطح پر ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے یہ خودکشی کئی بار کی۔۔۔ سپین سے ان کا قلع قمع ان کے قومی کردار کے زوال سے ہوا۔ ٹیپو سلطان کو شہید کرانے میں نوابان اودھ اور نظام دکن کا کردار اجتماعی خودکشی کی مثال ہے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا اختتام، اجتماعی خودکشی کی روئیداد ہے۔

قومی کردار، قوموں کے عروج وزوال کی داستانیں مرتب کرتا ہے۔ جب کوئی قوم سیرت وکردار کے لحاظ سے بے کردار ہو جاتی ہے تو وہ بٹ جایا کرتی ہے۔ اس کے افراد زندہ رہتے ہیں۔ اور زندہ رہنے کیلئے سب کچھ کرتے ہیں۔ میں نے یہاں بے کردار لکھا ہے۔ بدکردار نہیں لکھا۔ کیونکہ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو امامت کی باگ ڈور، اسلامی نقطہ نظر سے بدکردار قوموں کے ہاتھ میں دیکھیں گے۔ آخر کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ وہ صرف بدکرداری پر ہی موقوف ہو کر نہیں رہ گئیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بساطِ عالم پر اپنی اپنی حیثیت منوانے کی طاقت بھی رکھتی ہیں جبکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان بازی گاہِ حیات میں اجتماعی خودکشی کر کے بے اثر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسی بے اثری کو میں نے بے کرداری کہا ہے۔

اجتماعی خودکشی کے بعد خودکشی کی ایک بالواسطہ صورت ہے۔ وہ یہ کہ انسان اپنے اعمال وافعال کے انجام ومآل پر نظر نہیں رکھتا۔ مثلاً فضول خرچ آدمی اپنی دولت برباد کرتا ہے تو نہیں جانتا کہ آخر کو کنگال ہو جائے گا۔ نشہ باز، نہیں سوچتا کہ منشیات اور شراب خانہ خراب اس کے قوائے عقلیہ کو مختل ومضمحل کر کے اسے تباہ کر دیں گی۔ عاداتِ قبیحہ کے گرفتار انجام کار، کارِ جہاں سے بے زار ہو کر معاشرے کا عضو معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ سب بالواسطہ خودکشی کے حکم میں داخل ہیں۔

اسلام میں خودکشی کی حرمت انہی اسباب کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتے کہ اس کی مخلوق اس کی عطا کردہ صلاحیتوں، طاقتوں اور لیاقتوں کو اپنی سفلہ خواہشات کی قربان گاہ پر ذبح کر کے دنیا میں غیر موثر ہو کر رہ جائے۔ کنگال ہو کر گداگر بن جائے۔ شباب شاندار پر قبل از وقت پیرانہ سالی کی سیاہ چادر تان لے۔ صحت کو نشہ اور لذائذ شہوانی کی کثرت سے تباہ کر کے بسترِ مرض پر لیٹ رہے اور کارِ جہاں میں بے کردار ہو کر مر جائے۔ پرخوری اور غلیظ خوری کے اثرات سے کون واقف نہیں مگر لوگ پھر بھی دیوا شتہا سے شکست کھا کر کھاتے چلے جاتے ہیں۔ خون کی نالیوں میں چربی پیدا ہو رہی ہے مگر وہ مسلسل کھاتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ نظام انہضام معطل ہو جاتا ہے۔ خون دل کو، اور دل سے اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتا کہ ورید وعروق مہین ونفیس میں چربی بیٹھی ہے۔ پھر بلڈ پریشر بڑھتا ہے اور دل ناتواں فیل ہو جاتا ہے۔ یہ بالواسطہ خودکشی ہے۔ عنداللہ ایسے لوگ جو اپنے تنورِ شکم کو ہر وقت گرم رکھتے ہیں اور دانتوں کی چکی ہر وقت چلاتے ہیں اور زبان کے چٹخاروں پر ہر دم جان دیتے ہیں سب بالواسطہ خودکشی کے مجرم ہیں۔ اسی طرزِ عمل کو قرآن کریم اپنے الفاظ میں اپنے ہاتھوں سے اپنی جانوں پر ظلم کرنا کہتا ہے۔

بندوں پر اللہ رحیم ورحمٰن کے انعامات واحسانات کا شمار محال ہے۔ یہاں ذرا غور فرمائیں کہ یہ سب انعامات اپنی جگہ، پر ان میں معنویت، حیات پیدا کرتی ہے۔ گویا حیات، نعمت عظمیٰ ہے۔ مثلاً بارانِ رحمت بڑی نعمت ہے پر جانداروں کیلئے گو کہ ارض مردہ اور نباتات وجمادات بھی اس سے فیض پاتی ہیں۔ لیکن ان کا استفادہ بھی جانداروں کیلئے ہے۔ خودکشی کرنے والا شخص زندگی جیسی نعمت عظمیٰ سے منہ موڑتا ہے تو دراصل سب سے بڑا کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ ابھی اس کے مقدر میں کیا کیا عجیب وغریب انعامات رکھے تھے۔ اس نے زندگی سے منہ موڑا تو ساتھ ان گنت رحمتوں سے بھی دستبردار ہو کر واپس چلا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی واپسی کا پروانہ نہیں بھیجا تھا۔ خالق نے اسے جس مشن کے ساتھ دنیا میں بھیجا تھا وہ ادھورا چھوڑ کر چلا گیا۔ یہ صریح بغاوت ہے۔ کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوجی میدان جنگ سے بھاگے تو اس کی سزا گولی ہے۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ اس نے اپنے مشن سے منہ موڑا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص میدان زندگی میں اپنی حیات کا سلسلہ اپنے ہاتھ سے کاٹ دے تو اس کی سزا کا اندازہ کرلیں۔

خودکشی سے بچنے کا ایک طریقہ ہے کہ انسان اپنے ہر ہر فعل کے انجام پر نظر رکھے۔ مآل اندیشی اور عاقبت اندیشی اسی کو کہتے ہیں۔ قمار باز بڑے بڑے داؤ لگاتے وقت یہ نہیں سوچا کرتے کہ اگر داؤ ہار گئے تو کیا بنے گا اور جب وہ کڑا وقت سامنے آ کھڑا ہوتا ہے تو خودکشی کے ذریعے ذلت دنیا سے نجات پاتے ہیں۔ اسلام نے سود، سٹہ اور بیع سلم وغیرہ جیسی قباحات کو اسی لئے ممنوع ٹھہرایا ہے کہ کوئی شخص موہوم منافع کیلئے اپنا سب کچھ نہ لٹا بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سٹہ باز اکثر پنکھوں سے لٹک کر رسوائی سے نجات پاتے ہیں مگر جو لوگ بازاروں میں بیٹھ کر حاضر مال پر حقیقی تجارت کرتے ہیں، ان پر کبھی ایسا نقصان وارد نہیں ہوتا جو ان کے کاروبار کو تباہ کردے اور وہ خودکشی کر جائیں۔ ایک سچا مسلمان، جو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو، وہ مصائب ونوائب سے نہیں گھبراتا کیونکہ اس کے سامنے اپنے پاک پیغمبر ﷺ کے پیٹ پر پتھر کا نقشہ بھی موجود ہے۔ اس کے سامنے بلال حبشیؓ، ابوذر غفاریؓ اور ابوہریرہؓ کی ستم کشی، فاقہ مستی اور بے بسی کے اندوہناک واقعات بھی موجود ہوتے ہیں۔

خودکشی کے اسباب میں رزق کی تنگی، بیماری اور مقدمہ بازی بڑے مشہور ہیں۔ لیکن بات وہی ہے جو ہم پیچھے کہہ چکے ہیں۔ مثلاً ایک مفلس ونادار اپنے بیوی بچوں کی کماحقہ' کفالت نہیں کرسکتا تو خودکشی کرلیتا ہے یا اپنے ساتھ اپنے بیوی بچوں کو بھی مار ڈالتا ہے۔ اگر اسے تعلیم اسلام کی نعمت میسر ہوتی تو اسے یہ ارشاد ربانی ضرور معلوم ہوتا کہ تنگدستی سے گھبرا کر اپنے بچوں کو قتل نہ کیا کرو کیونکہ تمہیں اور تمہارے بچوں کو ہم خود رزق دیتے ہیں۔ اسی حکم سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رزق کی کمی اولاد کے قتل اور خودکشی کا سبب نہیں ہوسکتے کیونکہ رزق کی کمی یا بیشی کے فیصلے رازق خود کرتا ہے اور انسان بس ہاتھ پاؤں ہلانے کا مکلف ہے۔

اللہ باری تعالیٰ کو حیات انسانی کس قدر عزیز ہے، اس کا اندازہ یوں کرلیں کہ مسلمان کا قتل بالعمد دائمی جہنم کی سزا کا مستوجب ہے۔ قتل آخر ایک جان ہی تو ضائع کرنا ہے۔ یہ جان اپنی ہو یا کسی دوسرے کی، اس کا گنوانا ایک ہی درجے کا گناہ ہے۔ روزہ دار پر روزہ فرض ہے۔ ترک صوم اور روزہ رکھ کر توڑ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اگر روزہ اتنا بھاری ہو جائے کہ صائم کی جان پر بن جائے اور ایسے آثار ہویدا ہو جائیں کہ جان نکل جائے گی تو اللہ تعالیٰ جان بچانے کی خاطر افطار کی اجازت دیتے ہیں۔ قارئین کرام توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کو جان کتنی پیاری ہے۔ یہ بچ جائے تو روزہ بعد میں بھی رکھا جاسکتا ہے۔ گویا جان بچانا پہلے اور روزہ رکھنا بعد میں ہے۔ حشرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الارض اور دیگر جانداروں کو بلاوجہ ہلاک کرنا، جائز نہیں ہے، ہاں موذی جانور کا مارنا، اس کی ایذا رسانی سے پہلے ہی درست ہے۔ کیونکہ جانور بھی جان رکھتے ہیں اور بلاضرورت ان کی جان لینا روا نہیں بقول فردوسی

میازار موری کہ دانہ کش است
کہ جاں دارد و جان شیریں خوش است — فردوسی

دیکھ کر چلنا کچل نہ جائے چیونٹی راہ میں
آدمی کو بے زبانوں سے بھی الفت چاہیئے — اقبال

ایک قتل ناحق، اللہ تعالیٰ کے ہاں سارے جہاں کے انسانوں کا قتل ہے۔ اسی طرح ایک جان کا بچانا سارے جہان کے انسانوں کو بچانا ہے۔ میں نے یہ باتیں اس لئے لکھی ہیں کہ معلوم ہو سکے کہ عنداللہ، انسانی جان کا کیا شرف وقدر و قیمت ہے۔ جان انسان کے پاس اللہ باری تعالیٰ کی امانت ہے۔ امین امانت میں خیانت نہیں کیا کرتے بلکہ اپنی جان پر کھیل کر بھی امانت داری کے تقاضے نباہتے ہیں۔ خودکشی کرنے والا، اپنی جان گنوا کر، امانتِ الٰہیہ میں خیانت کرتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے موت کی دعا کرنے سے روکا ہے۔ بعض اوقات مریض یا حالات کا کشتۂ ستم گھبرا کر موت کی دعا کرنے لگ جاتا ہے پر یہ بھی جلد بازی ہے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر موت کی جگہ شفا کی دعا کی جائے تو وہ بھی تو قبول ہو سکتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی اس ممانعت میں یہ حکمت ہے کہ یہ دعا، یعنی جان نکال لینے کی تمنا بھی ایک گونہ ناشکری ہے اور ناشکری کفر ہے۔ مریض اور مجبور شخص کی دعائے صحت و خلاصی قبولیت کا خصوصی حکم رکھتی ہے۔

غازی علم دینؒ، ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہو گیا اور درجہ شہادت پر فائز ہو گیا۔ لیکن اگر راج پال کے قتل کے بعد، وہی چھری اپنے پیٹ میں گھونپ لیتا تو غزا ہوتی نہ شہادت بلکہ خودکشی کی سزا ملتی۔ مگر وہ بہادر تھا۔ قتل کی ذمہ داری قبول کی، عدالت میں اپنے عمد کا اقبال کیا اور دار و رسن کی تاریخ کو روشن کر گیا۔ سو بہادر شریف لوگ اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے اور ان کو نباہنے میں اپنی جاں، جانِ آفریں کے سپرد کرتے ہیں جبکہ بزدل ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرتے اور خودکشی کر لیتے ہیں۔

اسلام ایک الگ زاویہ نگاہ، ایک فلسفۂ حیات اور ایک طرزِ فکر عطا کرتا ہے۔ شدائد کا سہنا اور شکر گزار رہنا اس لئے نہیں کہ مسلمان دنیا میں محرومیوں کا اپنا مقدر جان کر ہمیشہ پستی میں پڑے رہیں۔ ہم آپ کو حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شریف کا ایک واقعہ سناتے ہیں۔ حضورؐ کسی غزوہ میں معرکہ فرما تھے۔ ایک صحابی آپؐ کے سامنے سے گزرے دراں حالیکہ ان کا ایک بازو ئے بریدہ کٹ کر لٹک رہا تھا یعنی غزا کی سند موجود تھی مگر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا ''دیکھو! سامنے دوزخی چلا آرہا ہے'' صحابہؓ ایک غازی کے متعلق یہ فرمان پیغمبر ﷺ سن کر مخمصہ میں پڑ گئے۔ زیادہ دیر نہ گزری کہ شدت درد و سختی کرب سے نجات پانے کیلئے اس غازی نے اپنے پیٹ میں اپنا خنجر مار لیا اور جان کی بازی ہار دی اور موجبِ فرمانِ پیغمبر ﷺ اہل نار میں شامل ہو گیا۔

ہمارے قارئین کرام دیکھیں کہ خودکشی ایک غازی اسلام کو جس پر جنت واجب تھی، کس طرح دوزخ میں لے گئی۔ اس سے وہ نادان اور جلد باز نوجوان عبرت پکڑیں جو کسی لڑکی سے شادی نہ ہو سکنے پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ وہ نادان طالب علم جو والدین یا اساتذہ کی سرزنش پر دریاؤں میں کود جاتے ہیں، اس واقعہ سے سبق سیکھیں۔ وہ مرد جو تنگدستی سے تنگ آ کر خودکشی جیسا اوچھا قدم اٹھاتے ہیں، وہ سوچیں کہ اگر وہ ازدواجی زندگی اور اس کے نتیجے میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی اہلیت اپنے اندر نہ پاتے تھے تو وہ روزہ رکھتے اور اس سارے بکھیڑے سے آزاد رہتے۔ تجرد کوئی اچھی چیز نہیں مگر حضور اقدس علیہ السلام نے ایسے شخص کیلئے یہی نسخہ تجویز کیا ہے جو متاہل زندگی کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ اس لئے ذمہ داریوں سے فرار کی راہ خودکشی میں ڈھونڈ نا حد درجہ بزدلی اور بے وقوفی ہے۔

بعض بہورانیاں، ساس کی ستم رانیاں نہیں سہہ سکتیں اور خودکشی کر لیتی ہیں۔ ہم یہ تو کہتے نہیں کہ ساس، اپنی بہو کو بیشک تختۂ مشق بنائے، اسے چھٹی ہے۔ پر یہ ضرور کہیں گے کہ ساس، بہو کو سکھ چین کی ضمانت دے اور اسے اتنا نہ ستائے کہ اس کا جینا دو بھر ہو جائے لیکن بہو بی بی بھی اس کی بزرگی کے تقاضے پورے کرے۔ مگر خودکشی کسی مسئلہ کا حل نہیں بلکہ ہزار مسائل کو جنم دیتی ہے۔ وہ مائیں جو نا مساعد حالات اور ناموافق واقعات سے گھبرا کر موت کو سینے سے لگا لیتی ہیں، اگر ان کی ممتا زندہ ہو تو پیچھے رہ جانے والے معصوم بچوں کی کسمپرسی کو سامنے لا کر کبھی یہ احمقانہ فعل نہ کرتیں۔ یہ درست ہے کہ وہ دنیوی بے چینی سے نجات پا گئیں مگر عاقبت کے عذاب میں پکڑی جائیں گی تو کونسی راہِ فرار پائیں گی۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ۔۔۔ مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

جامعہ علوم اُثریہ کے زیر اہتمام اجتماعی قربانی (گائے یا اونٹ) میں شرکت کیجئے

مبلغ -/2500 روپے (کمی بیشی کے ساتھ) رابطہ: مفتی محمد شفیع صاحب، مولوی محمد یحییٰ صاحب

نوٹ: اونٹ کی قربانی 13 ذوالحجہ (چوتھے دن) چوک اہل حدیث میں کی جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com